



گھر کی چار دیواری آدمی کو محفوظ عطا کرتی ہے مگر ساتھ ہی اسے ایک حد میں قید بھی کر دیتی ہے۔ اسکول اور کالج جہاں انسانی ذہن کی نشوونما کرتے ہیں وہاں اصول اور قاعدے کے نام پر اس کی شخصیت کو غلام بھی بناتے ہیں۔ بات یہ ہے بھائی کہ بہت کی ضد اسی کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہ میں کسی کتاب کی مثالیں پیش نہیں کر رہی ہوں۔ ایسی بھاری بھر کم کتابیں پڑھنے کی مجھ میں ہمت ہی نہیں ہے۔ یہ تو ان باتوں اور بحثوں کے ٹکڑے ہیں جو دن رات ہمارے گھر میں ہوتی ہیں۔ ہمارا گھر یعنی دانشوروں کا اکھاڑا۔ یہاں سگریٹ کے دھوئیں اور کانی کی جھپکیوں کے درمیان باتوں کے بڑے بڑے توڑ بانڈھے جاتے ہیں، بڑے بڑے لفظی انقلاب برپا کیے جاتے ہیں۔ اس گھوڑی کام گم ہوتا ہے، باتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ میں نے کہیں پڑھا تو نہیں مگر اپنے گھر سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دانشوروں کے لیے کام کرنا شاید غیر ضروری ہے۔ مٹی اپنی تین گھنٹے کی تفریح ناؤ کری بجالانے کے بعد آزاد۔ تھوڑا بہت پڑھنے لکھنے کے بعد جو وقت بچتا ہے، وہ تو بحث مباحثے میں گزر جاتا ہے یا پھر لیٹے رہنے میں۔ ان کا خیال ہے کہ جسم غیر متحرک ہوتے ہی دماغ متحرک ہو جاتا ہے لہذا وہ دن جو بیس گھنٹوں میں سے بارہ گھنٹے اپنا دماغ ہی متحرک رکھتی ہیں۔ پاپا دو ہاتھ اور آگے ہیں۔ ان کا بس ملے تو وہ نہایتیں بھی اپنی میز پر۔

جس موضوع پر ہمارے ان زیادہ تر گفتگو ہوتی ہے وہ ہے جدیدیت، ٹھیرے، آپ جدیدیت کا غلط مطلب نہ لکالیے۔ یہ بال کٹوانے اور پھری کانٹے سے کھانے والی جدیدیت تفسی نہیں ہے۔ یہ خاص دانشور کی جدیدیت ہے۔ یہ کیا ہوتی ہے؟ میں خود بھی صحیح طور پر نہیں جانتی لیکن اتنا معلوم ہے کہ اس میں شائع عام ترک کرنے کی بات زیادہ ہوتی ہے۔ بحثوں میں یوں تو دنیا جہاں کے موضوعات پیے جاتے ہیں مگر لوگوں کو ایک موضوع خاص طور پر محبوب ہے اور وہ ہے شادی بکھے بکھے انداز سے شروع ہونے والی بات ایک دم دانشورانہ سطح پر چلی جاتی ہے۔ شادی کا الٹی میوشن بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے۔ میاں بیوی کا ذہن بہت نقلی اور اوپر سے عقوبت ہوا ہے۔ پھر زہد وار طریقے سے شادی کی رسم کی دھجیاں اڑانی جاتی ہیں۔ اکثر اس بحث میں عورتیں ایک طرف ہو جاتی ہیں

نزد دوسری طرف۔ بحث کا ماحول انتہائی گرم ہو جاتا ہے۔ میں سوچنے لگتی ہوں کہ اب ضرور دو ایک آدمی طلاق لے دیں گے مگر ایسا کوئی حادثہ کبھی نہیں ہوا۔ اب سوچیں کہ شادی کی مذمت کریں گے تو فری نو اور فری سیکس کو تو سراہنا ہی پڑے گا۔ مرد لوگ اس معاملے میں اچھل چل کر آگے بڑھتے ہیں۔ کچھ اس انداز سے گویا وہ بات ہی سے اس کی آدمی لذت حاصل کر لیں گے۔ پاپا خود اس کے بچے مامی ہیں۔

مگر ہوا یہ کہ گھر میں ہمیشہ چپ چاپ رہنے والی دور دراز کی ایک بہن نے ان بحثوں میں حصہ لے لیں ہی اس پر عمل کر ڈالا۔ پاپا کی ساری جدیدیت ریت کے گھر دھیسے کے مانند ڈھس گئی۔ مٹی نے بڑے خوش اسلوبی سے یہ معاملہ سلجھایا اور شادی کے بعد جن میں بازو کٹان بن صاحبہ کی زندگی کا یہاب بنائی۔ یہ بات بہت پرانی ہے اور میں نے صرف اس کا ذکر سنا ہے، وہ بھی دہلی دہلی زبان سے۔

پاپا اور مٹی کی شادی بھی محنت ہی کی شادی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے ہوش نبھانے کے بعد انھیں کبھی محنت کرتے نہیں دیکھا صرف بحث کرتے دیکھا ہے۔ شادی سے پہلے اپنے اس فیصلے پر مٹی کو نام سے بھی بہت بحث کرنی پڑی تھی اور بحث کا وہ عرصہ بہت طویل تھا۔ مٹی اس کا ذکر نہایت نخر سے کرتی ہیں۔ نخر شادی پر نہیں ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ کس طرح انھوں نے نام سے مکتولی۔ اپنے اور ناما کے درمیان ہونے والے مکالمے وہ اتنی بار دہرا چکی ہیں کہ مجھے اذیر ہو گئے ہیں۔ آج بھی جب وہ اس کا ذکر کرتی ہیں تو عام روش سے ہٹ کر کچھ کرنے کا احساس ان کے چہرے سے جھلکنے لگتا ہے۔

زبردستی میں بڑی ہو گئی۔ بڑی ہونے کا احساس مجھے اپنے اند سے اتنا نہیں ہوا جتنا باہر سے ہوا۔ اس سے بھی ایک دلچسپ کہانی وابستہ ہے۔ سینے۔ گھر کے عین سامنے ایک برساتی تہہ۔ ایک کمرہ ہے اور اس کے سامنے پھیلی ہوئی چھت اس میں ہر سال دو تین طالب علم آکر رہتے تھے۔ وہ چھت پر گھوم گھوم کر پڑھتے تھے مگر ان کی طرف میری توجہ کبھی نہیں گئی۔ شاید میری عمری توجہ کرنے کی نہیں تھی۔ اس بار وہاں دو لڑکے آئے تھے تو وہ دو ہی، مگر شام تک ان کے دوستوں کا اچھا ناما اجتماع ہو جاتا۔ ساری چھت ہی نہیں سارا محلہ



خوشی دوقہ قاترینہ کے لیے  
ایک ماہ کے خاصہ کے لیے  
ترجمہ: علیہ حیدر ملک



بات دراصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی حالت ایک جزیرے کے مانند بنا رکھی تھی۔ سب کے بیچ وہ کر بھی سب سے الگ۔

ایک دن میں نے جی سے کہا: "جی: یہ جو سامنے لڑکے آئے ہیں وہ جب دیکھو مجھ پر ریڈ کرس پاس کرتے ہیں۔ میں خاموش نہیں رہوں گا میں بھی یہاں سے جواب دوں گی۔"

"کون لڑکے؟" جی نے حیرت سے پوچھا۔

کمال ہے۔ جی کو کچھ پتہ ہی نہیں۔ میں نے پھر سرداری بات بتائی مگر جی پر اس کا کوئی خاص ردعمل نہیں ہوا۔ انہوں نے نہایت سادگی سے کہا: "کون لڑکے؟ بتانا۔" یہ کہہ کے وہ پھر پٹنے لگیں۔ جی کلاہ انداز میں پسند نہیں آیا۔ کوئی اور ماں ہوتی تو ساری کھونٹ کر کل ماتی اور اُن کی سات پشتوں کے پرش ٹھکانے لگا دیتی مگر جی پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔

دوپہر ڈھلنے کے بعد لڑکوں کی محل چھت پر بھی۔ میں نے جی کو بتایا: "یہی ہیں وہ لڑکے جو ہر وقت ادھر دیکھتے رہتے ہیں۔ میں کچھ بھی کروں، آواز سے کہتے ہیں۔"

پتہ نہیں میسرے کہنے کے انداز میں کیا نام بات تھی۔ جی کھلکی

گھر سے جاتا۔ جیسی مذاق، گانا بجانا اور اس پاس کی جڑواں اُن کی نظروں کے دائرے میں آجاتی اُن پر آواز سے اچھتیاں کستے مگر اُن کی نظروں کا اصل مرکز ہمارا گھر تھا۔ زیادہ واضح الفاظ میں کہوں تو میں ہی جی کی نظر میں نکل کر میں کچھ بھی کروں اور ہر سے کوئی نہ کوئی تیسرہ ہوا میں اچھلتا ہوا آچلتا۔ میں سر سے پیر تک کانپ جاتی۔ مجھے پہلی بار محسوس ہوا کہ میں ہوں اور صرف ہوں ہی نہیں کسی کی کشش کا مرکز بھی ہوں۔ اپنے ہونے کا یہ احساس مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوا اور میں اپنی ہی نظروں میں بڑی ہوا تھی۔ بڑی اور تھی۔

عجیب حالت تھی۔ وہ آواز سے کہنے کو میں غصے سے جتنا جاتی مگر جب وہ نہ ہوتے یا ہر کہ بھی آپس ہی میں مشغول رہتے تو میں انتظار کرتی رہتی۔ ایک بے نام سی غلطی مجھے اندر ہی اندر پریشان رکھتی۔ وہاں ہر حال میں وہیں اُن کا رہتا۔ میں کرو چھوڑ کر آدھے میں نکل رہتی۔ اُن لڑکوں کی وجہ سے مجھے دالوں کی بیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ جن لوگوں کے گھروں میں کڑاوری لڑکیاں تھیں وہ آستینیں چڑھا کر دعا کرتے اور ناخوش توڑ ڈالنے کی دھمکیاں دے رہے تھے کیوں کہ سب کو اپنی لڑکیوں کا مستقبل خطرے میں نظر آتا تھا مگر میرے پاپا جی کو کوئی خبر نہیں تھی۔



باندھ کر میری طرف دیکھنے لگیں۔ پھر آہستہ سے مسکرائیں۔ تو ڈیڑھ گھنٹہ بھرت والے لڑکوں کا مسازہ کرنے کے بعد بولیں۔ "کالج کے لڑکے معلوم ہوتے ہیں مگر یہ تو بالکل نچھے ہیں۔" جی میں آیا، کون کون کچھ بچے نہیں تو کیا بڑے پھیریں گے مگر خاموش رہی۔ مٹی نے کہا۔ "کل شام کو ان لڑکوں کو چلاتے پڑ جائیے ہیں اور تم سے دوستی کروا دیتے ہیں۔" میں بنگلہ باندھ گئی۔ "تم انھیں چائے پر بلاؤ گی؟ مجھے مٹی کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں، کیوں؟ کیا ہوا؟ اسے یہ تو ہمارے زمانے میں ہوتا تھا کہ لڑکے نہیں ہیں دور سے آوانے کس کر دل بہلایا۔ اب تو زمانہ بدل گیا۔ وہ لوگ ہمارے گھر آئیں گے اور مجھ سے دوستی کریں گے۔ ہاں تک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بہت اکیل ہوں اور مجھے کسی دوست کی سخت ضرورت ہے۔ مجھے میں میرا کسی سے کوئی خاص میل چل نہیں ہے اور گھر میں صرف مٹی اور پاپا کے دوست آتے ہیں۔

دوسرا دن بے حد کٹکٹ مکش میں گزرا۔ پتہ نہیں مٹی اپنی بات پوری بھی کرتی ہیں یا توں ہی تو میں کہہ گئیں اور بات ختم۔ شام کو میں نے یاد دہانی کے لیے کہا۔ "مٹی! تم سچی مٹی ان لڑکوں کو بلانے جاؤ گی؟ میرے الفاظ یہی تھے وہ دن دل میں تو یہ بات مٹی کی گھمٹی! پلیز ماما نا۔" مٹی واقعی چلی گئیں۔ میں سانس روک کر ان کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ ایک عجیب سا احساس میرے سرگ پیسے میں سرایت کر گیا تھا۔ کہیں مٹی انھیں ساتھ ہی لیتی آئیں تو؟ اگر وہ مٹی کے ساتھ بد تیزی سے پیش آتے تو؟

کوئی گھنٹہ بھر بعد مٹی خوش خوش واپس آئیں اور بولیں۔ "تو! مجھے دیکھتے ہی اُن کی تو سچی گم ہو گئی۔ اُنھوں نے سوچا کہ ابھی تک تو لوگ اپنے اپنے گھروں سے اُن کے دانت اور زانگیں توڑنے کی دھمکیاں دے رہے تھے، میں سیدھی اُن کے گھر ہی پہنچ گئی اُن کی ہڈی پللی ایک کرنے۔ بات چیت کے بعد اُنھوں نے میری بہت خاطر کی۔ بڑے ہی سونٹ پتھے ہیں۔ ہا ہر سے آئے ہیں۔ ہوشل میں بگ نہیں ملی اس لیے میاں رہ رہے ہیں۔ شام کو جب پاپا آئیں گے تب بلواؤں گی انھیں۔" یہ میرا پہلا تجربہ تھا کہ انتظار میں وقت آنا بوجھل ہو جاتا ہے۔ پاپا آئے تو مٹی نے انھیں ساری بات بتائی۔ عام روش سے ہٹ کر کچھ کرنے کا احساس اُن کے لفظ لفظ سے پھلک رہا تھا۔ پاپا کہاں پیچھے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے سنا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ بلاؤ لڑکوں کو۔ کھیلنے کھانے اور پیش کرنے دو بچوں کو! پاپا نے کہا پاپا مٹی دو دن کو اپنی جدیدیت کے اظہار کا سنہرا ترنچ اٹھا گیا تھا۔ نوکر بھیج کر لڑکے بلوائے گئے۔ مٹی نے بہت سیلے سے تعارف

کر دیا۔ "تو مٹی! اپنے دوستوں کے لیے چائے بناؤ۔" چائے پیتی رہی، باتیں ہوتی رہیں۔ (لڑکے صفائی پیش کرتے رہے کہ کھلے والے خواہ خواہ اُن کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ وہ لوگ تو کچھ بھی نہیں کرتے۔ محض مزاحیہ کچھ کر دیا تو کر دیا وہ لڑکوں کی مقصد نہیں۔

"اے اس عمر میں تو یہ سب کرنا ہی چاہیے۔ ہمیں موقع ملے تو آج بھی کہنے سے باز نہ آئیں۔ پاپا نے اُن کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ہنسی کی ایک لہریاں سے وہاں تک دوڑ گئی۔

قریباً دو گھنٹے بعد وہ جانے لگے۔ مٹی نے کہا۔ "دیکھو اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔ جب بھی چاہے چلے آیا کرو۔ ہماری تو دنیا کو اچھی پہنچ ملی جائے گی تم لڑکوں سے کبھی کچھ پڑھ بھی لیا کرے گی اور دیکھو۔ کچھ کھانے پینے کو طبیعت چاہے تو بتا دیا کرو۔ گھر میں پک جائے گا۔" اُن کے جانے کے بعد دیر تک اُٹھنی کے لیے میں پائیں ہوتی رہیں۔ دوسرے دن سے مٹی ہر آنے والے کے سامنے یہ واقعہ تفصیل سے بیان کرنے لگیں۔ مٹی تو خشک سے خشک بات بھی دلچسپ بنا دیتی ہیں اور یہ تو مٹی ہی دلچسپ بات۔ جو سنا، وہ کتا۔ واہ! یہ بھائی نباتات۔ آپ کا نقطہ نظر بہت صحیح ہے وہ لڑکے باتیں تو بڑی بڑی کرتے ہیں مگر اپنے بچوں کو کھانا کھانا کر رکھتے ہیں۔ خدا بھی خیر ہو جاتے تو باقاعدہ جاسوسی کرنے لگتے ہیں۔"

مٹی اس تعریف سے نہال ہو کر کہتی ہیں۔ "انہیں تو کیلے آلودہ ہو اور بچوں کو آزاد رکھو۔ ہم لڑکوں کو بچپن میں یہ مت کرو واپس مت بلاؤ، کہہ کہہ کر کتنا باندھا گیا تھا۔ اب کہہ سے کہہ جائے پتے تو اس گھٹن کا شکار ہوں" مگر مٹی کی بچی ایک اور ہی گھٹن کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ کہ جس ڈیلے کی بیرون اُسے بنا تھا، اُس کی بیرون مٹی خود بن چکی تھی۔ خیر اس واقعے کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکوں کا رویہ ایک دم بدل گیا۔ اب وہ جب بھی اپنی چھت سے مٹی یا پاپا کو دیکھتے، بڑے ادب سے آکرتے اور مجھے دیکھتے تو مسکراہٹ میں پیٹ کر ایک بائی، میری طرف اچھال دیتے۔ اور کہہ کہنے کے بجائے باضابطہ مکالمے شروع ہو گئے۔ ہمارے برآمدے اور اُن کی چھت کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا۔ ذرا سی بلند کولاز میں گھٹنگو کی جا سکتی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ہماری بات چیت سلا تھلے سنا تھا جیسے ہی ہمارے مکالمے شروع ہوتے پاس پڑوس کی گھر لکیوں میں چل چھ چکر آکر چپک جاتے۔

ایسی بات نہیں مٹی کہ مٹی میں لڑکیوں کے معاملے نہ چلے ہوں۔ لڑکیوں کے باقاعدہ گھر سے فرار ہونے کے واقعات بھی ہوتے تھے مگر یہ سب کچھ بہت پرشیدہ طریقے سے ہوتا تھا۔ مٹی نے جب ایسے کسی راز سے واقف ہو جاتے تھے تو انھیں سکون ہو جاتا تھا۔ مگر





نہیں پڑاؤ دے کر ادھر تیں اتھ پنہا پنہا کر خوب نیک مری لگا لگا کر  
ان واقعات کی اس سرے سے اُس سزے تک تشریح کرتیں۔ کچھ  
اس انداز سے کہ اسے ہم نے دنیا دیکھی ہے۔ ہماری آنکھوں میں کوئی  
دھڑل نہیں جھونک سکتا۔

لیکن یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی۔ ہماری گفتگو نے کھلے عام  
ہوتی تھی کہ لوگوں کو کمرہ کیوں کی لوث میں پھنپ کر دیکھنا سننا نہیں پڑتا تھا اور  
سب کچھ دیکھ کر کس کبھی انھیں اطمینان نہیں ہوتا تھا مگر بات کو تو  
بڑھنا تھا سو وہ بڑھی۔ ہوا یہ کہ زور زور سے چہمت کی نعل میسے کمرے میں  
جھنے لگی۔ مری دو چار لڑکے آکر جم جاتے۔ پھر نرسی مذاق اور گپ شپ  
کا دور چلتا۔ گانا بجانا بھی ہوتا اور پائے وغیرہ بھی۔

شام کو مٹی اور پلاٹکے دوست لے آتے۔ ان لاکوں میں سے  
کوئی نہ کوئی بیٹھا ہی ہوتا۔ شروع میں جن لوگوں نے آنادر ہوا اور آنادر رکھو  
کی تعریف و حمایت کی تھی انھوں نے آزادی کی صورت دیکھی تو ان  
کی آنکھوں میں بھی کچھ شبہات خیم لینے لگے۔ مٹی کی ایک آدھ دوست نے  
دہلی زبان سے کہا بھی: "تو تو بڑی فاسٹ چل رہی ہے۔ اس طرح کی  
باتوں سے مٹی کے حوصلے پست ہو گئے۔ عام روش سے ہٹ کر کچھ کرنے  
کا شوق ماز پڑنے لگا۔ اب تو انھیں نیکی چٹائی بھی ملنی تھی کہ ان کی نہایت  
بچی اور مذک لڑکی لڑکی مین چار لڑکوں کے درمیان گھری رہتی ہے۔

ایک دن انھوں نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر کہا: "تو مٹی کی بیوی  
بروز یہاں آکر جم جاتی ہیں۔ آخر تمہیں پڑنا کتنا بھی ہے میں دیکھ رہی  
ہوں کہ اس دوستی کے چکر میں تمہاری کھائی پڑھائی چوہٹ ہوئی جا رہی  
ہے۔ اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔"

"رات کو پڑھتی تو ہوں۔ میں نے بے پڑائی سے کہا۔  
"ناک پر مٹی جو۔ رات کو وقت ہی کتنا طاب ہے؟ اندھیرے روز  
مذک و دھما کڑی مجھے چیل بھی پسند نہیں۔ ٹھیک ہے چار چھ دن میں  
مجھے اگے تک شپ ہو گئی مگر یہاں تو مری ہی کوئی نہ کوئی دھڑل ہے۔  
مٹی کی یہ بات بھی پسند نہیں آئی پھر بھی میں خاموش رہی۔ وہ بولیں۔  
"تو تو ان سے بہت محفل مل گئی ہے۔ کہہ دے کہ وہ بھی بیٹھ کر پڑھیں اور  
جتنے بھی پڑھنے دیں ساگر تجھ سے نہیں کہا جاتا تو میں کہہ دوں گی؟"

لیکن کسی کے کہنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ کچھ پڑھائی اور کچھ دلی  
کی مصروفیات کے باعث ہوشل والے لڑکوں کا آنا جانا کم ہو گیا۔ مگر  
سانے والے کمرے سے شیکر مری آ جاتا تھا۔ مجھے دو پہر کو کبھی شام کو تین  
چار لوگوں کی موجودی میں میں نے اُس کی جس بات پر دھیان نہیں جاتا تھا  
وہی بات ایکلے میں سب سے زیادہ اجاگر ہو کر سامنے آئی۔ ہوتا کم تھا مگر  
الفاظ سے پتے بہت کچھ کہنے کی کوشش کرتا تھا اور میں یکایک

اُس کی ان کئی زبان سمجھنے لگی تھی۔ صرف سمجھنے میں لگی تھی بلکہ جواب بھی  
دینے لگی تھی۔ جلد ہی میری جگہ میں آ گیا کہ شیکر مری سے درمیان محبت  
جیسی کوئی چیز بننے لگی ہے۔

جب تک دل میں کچھ نہیں تھا سب کچھ بہت کھل جاتا  
تھا مگر میسے ہی کچھ ہوا اُسے اندوں کی نگاہ سے بچانے کی خواہش  
بھی پیدا ہوئی۔ دوسرے لڑکے آتے تو میری جگہ ہی سے شہ کرتے تھے لیکن  
شیکر جب بھی آتا، میسے دیکھتا ہوا آتا۔ ہم سرگرمیوں میں باتیں کرتے  
ویسے باتیں بہت معمولی ہوتی تھیں اسکول اور کالج کی باتیں مگر سرگرمیوں  
کی وجہ سے کچھ عجیب معلوم ہوتی تھیں۔ عشق کو ذرا بڑا ہوا تو بڑا  
تھرٹنگ ہو جاتا ہے ورنہ وہی سیدھا سا پاش۔ مگر مٹی کے پاس گھر  
اور گھر والوں کا ہر راز جان لینے کے لیے ایک مٹی جس موجود ہے اس  
جس سے پلا بھی اکثر پریشان رہتے تھے۔ چنانچہ مٹی کو ہلارنا نہ جانتے  
میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شیکر کتنا ہی خاموشی سے آتا، مٹی کو خبر ہو  
جاتی اور وہ فوراً کسی کونے کھدائے سے سامنے آ جاتی یا پھر وہیں سے  
پوچھتیں: "تو؟ کون ہے تمہارے کمرے میں؟"

شیکر کا وجہ سے مٹی کے چہرے پر ایک عجیب پریشانی چھکنے  
لگی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ مٹی اس قدر پریشان ہو جائیں گی جس گھر  
میں دن رات اُٹھتے بیٹھتے محبت ہی کا ذکر ہوتا ہو اس گھر کیلئے  
یہ بات بہت معمولی ہوتی چاہیے تھی۔ لڑکوں سے مٹی کی یہ بات  
آدھ سے محبت بھی ہو سکتی ہے۔ مٹی کی اس پریشانی نے مجھے بھی پریشان  
کر دیا۔ مٹی میری ماں ہی نہیں دوست اور ساتھی بھی ہیں۔ وہ گہرے  
دوستوں کی طرح ہم دنیا جہاں کی باتیں کرتے ہیں لہذا میں پابندی تھی  
وہ اس سلسلے میں بھی کوئی بات کریں مگر انھوں نے کوئی بات نہیں کی  
بس جب شیکر آتا تو وہ اپنی فطری بے پروائی سمجھ کر نہایت عیشی  
سے میرے کمرے کے ارد گرد مری لگتیں۔

میں ایک دن مٹی کے ساتھ باہر جانے کے لیے نیچے تری۔ وہ لڑنے  
ہی پر مٹی کی ایک خاتون لڑکی تھیں۔ خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد



انہوں نے اپنا اصل تہا بیان کیا۔ یہ سامنے کی چھت والے لڑکے آپ کے رشتے دار ہیں کیا؟  
"نہیں تو۔"

"مگر ہر روز شام کے وقت آپ کے گھر بیٹھے بستے ہیں اسی لیے میں نے سوچا، شاید آپ کے کچھ گتے ہوں گے؟"

"تو کئے دوست ہیں؟" مٹی نے یہ جملہ محبوب بے پروائی سے اچھلا۔ وہ خاتون تیرنشانے پر نہ لگنے کاظم لیے واپس ہو گئیں۔ وہ چسلی لگیں تو مٹی نے کہا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر میں کوئی کام نہیں۔" مٹی کی طرف سے ہری جھنڈی سمجھ کر میں نے اپنی رفتار کچھ تیز کر دی مگر یہ ضرور کیا کٹیکھر کے ساتھ تین گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ پڑھائی میں گزارتی۔ وہ بہت دل لگا کر پڑھاتا تھا۔ میں بھی دل لگا کر پڑھتی تھی۔ اٹل بیچ بیچ میں وہ کاغذ کی چھوٹی چھوٹی پرچوں پر کچھ ایسے شعرا لکھ کر تھما دیتا کہ میرا سا جسم جھنڈے سے اُٹھتا۔ اُس کے جانے کے بعد مجھے شہر کے لفظ لفظوں میں پوشیدہ جذبات میری رگ رگ میں سن سلاتے بستے۔ میں انہی میں ڈوبی رہتی۔

میرے اندر ایک الگ دنیا بنتی جا رہی تھی، بہت بھری پُری اور زنجین دنیا مجھے کسی کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ ایسا لگتا جیسے میں اپنے آپ میں محکم ہوں۔ ہمیشہ ساتھ رہنے والی مٹی بھی آؤٹ ہوتی جا رہی تھیں۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ میں اپنی ہی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی، باہر کی دنیا سے بے خبری۔

ایک دن اسکول سے واپس آئی تو مٹی نے مجھے جیلا: تو! اور حلقہ: میں مٹی کے پاس گئی۔ مٹی کا چہرہ تھمرا ہوا تھا۔ انہوں نے ساؤمیل سے ایک کتاب اٹھائی اور اُس میں سے کاغذ کی ہانچے چھ پرچاں نکال کر سامنے کر دیں۔ "تو اس طرح چل رہی ہے تمہاری اندکھیر کی دوستی؟" یہی پڑھائی ہوتی ہے یہاں بیٹھ کر؟ یہی سب کرنے کے لیے آتا ہے وہ بیاں؟" مٹی نے کانپتی آواز میں کہا۔

میں خاموش رہی۔ مجھے معلوم ہے، حتیٰ غصے کی حالت میں ہوں تو انہیں جواب دینے سے زیادہ بیوقوفی کوئی نہیں ہو سکتی چنانچہ میں خپ رہی۔ انہوں نے کہا: "میں میں نے آزادی دی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس کا ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔" میں پھر بھی خاموش رہی بالشت بھر کی لڑکی اور کتوت ایسے۔ جتنی دوسیل دو اتنے ہی پاؤں پیار سے جا رہے ہیں۔ ایک ٹھانچا لگاؤں کی تو سارا زمانہ حتم ہو جائے گا دھنٹ میں! اس جملے پر میں اچانک تھلا اٹھی۔ میں نے نظر اٹھا کر مٹی کی طرف دیکھا لیکن وہ میری مٹی نہیں تھیں۔ نہ یہ زبان میری مٹی کی تھی نہ یہ تیرنشانہ پھر بھی ایسا محسوس ہوا جیسے یہ جملہ میں نے پہلے بھی سنا ہے۔ اچانک

دن میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ نا! مگر ناکی وفات کو تو کئی سال ہو گئے وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو گئے؟ اور وہ بھی مٹی کے اندر؟ مٹی تو ہوش سنبھالنے کے بعد ہمیشہ اُنی سے جھگڑتی رہی ہیں، ان کی ہر بات کی مخالفت کرتی ہیں مٹی نا! کے لیے میں مٹی کی تقریر خاصی دیر جا رہی لیکن مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ مجھے صرف یہ فکر ستا رہی تھی کہ مٹی کے اندر نا کیسے آ بیٹھے؟

مگر میں ایک عیب سی خاموشی چھائی، کشیدگی سے پکڑیدگی میرے اور مٹی کے درمیان تھی لیکن مٹی تو وہاں تھیں ہی نہیں۔ وہ اُٹل۔ کشیدگی میرے اور نا کے درمیان تھی۔ میں مٹی کو اپنی بات سمجھا سکتی ہوں ان کی بات سمجھ بھی سکتی ہوں مگر نا؟ اس زبان اور اس تیرنشانے سے تو میں نا آشنا ہوں۔

پاپا ضرور میرے دوست ہیں مگر بالکل دوسری قسم کے شطرنج کیلینا اور میری فرمائشیں پوری کرنا ان کا کام ہے۔ ہمیں میں ان کی پیٹ پر سوار ہو کر میں اپنی فرمائشیں پوری کر دیتی تھی اور آج بھی کسی جھجک کے بغیر ان کی پیٹ پر لہ کر اپنی ہر بات منوالیتی ہوں مگر اتھائی ڈیر قسم کے دوست ہونے کے باوجود میں اپنی اپنی باتیں پاپا کے بچلے مٹی ہی سے کرتی آئی ہوں مگر مٹی وہاں تھیں نہیں۔ ان کی جگہ تو نا بھلے لی تھی۔ ایک شام کا ذکر ہے، شیکھر کو میں نے اشائے ہی سے لال جھنڈی دکھا دی تھی۔ اس لیے وہ بھی نہیں آیا وقت کھٹے نہیں کٹا، اس کا کسی لڑ بھی پانا کہ مٹی سے جا کر بات کروں اور صاف صاف پوچھوں کہ تم اس قدر خفا کیوں ہو؟ میری اور شیکھر کی دوستی کے بارے میں تو تھیں معلوم ہی ہیں میں نے کبھی کچھ نہیں چھپایا۔ دوستی ہے تو یہ سب کچھ ہو گا ہی۔ تم کیا سمجھ رہی تھیں۔ ہم جانی بہن کی طرح؟..... مگر پھر خیال آیا کہ مٹی ہیں ہی کہاں جن سے جا کر یہ سب کہوں؟ ان کی جگہ تو نا.....

چار دن ہو گئے۔ میں نے شیکھر کی صورت تک نہیں دیکھی میرے ذرا سے اشائے ہی پر اس بیچائے نے گھر تو کیا بھت پرانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ بے وقوفی کی تدبیر بند باقی ہے۔ اُسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ماں ہوا کا ہے۔

جلد ہی مٹی کی کشیدگی کچھ کم معلوم ہونے لگی۔ کئی دنوں سے بھی ہوئی سختی جیسے ٹھیک رہی تھی مگر میں نے طے کر لیا تھا کہ بات چیت کی ابتدا اب مٹی کو کرنی ہوگی۔ سویرے نہاد ہو کر میں دو دانے کے چھپے اپنی یونیفٹ ہم پر پس کر رہی تھی۔ باہر میز پر مٹی چلتے بند رہی تھیں۔ پاپا انجلر پر چھلنے بیٹھے تھے۔ مٹی نے شاید مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ پاپا سے بولیں: "جانتے ہو؟" ل رات کیا ہوا؟۔ پتہ نہیں کیوں اس کے بعد سے طبیعت بہت غراب ہو گئی اور میں سو نہیں پاتی۔ مٹی کے لیے کئی سے میرا تھ جاں کا تھل سب تک



رک گیا اور کان ان کی طرف لگ گئے۔ مٹی کہہ رہی تھیں: آدمی رات کے قریب میں باغ و مہم جانے کے لیے اٹھی۔ سامنے چھت پر گھپ بھرا چھایا ہوا تھا۔ اچانک ایک لال ستارہ سا چمک اٹھا۔ میں چونکی۔ غور سے دیکھا تو آہستہ آہستہ ایک شکل سی ابھرائی۔ ٹیکر چھت پر کھڑا سریش پل رہا تھا۔ میں چپ چاپ ٹوٹ آئی۔ کوئی دو گھنٹے بعد پھر گئی۔ وہ اسی طرح چھت پر ٹھل رہا تھا۔ بے چارہ!۔ تو بھی کیسی بھیجی رہتی ہے۔

ایک عرصے بعد میری مٹی جیسے ٹوٹ آئی تھیں۔ بی جا اڈھ کر مٹی کے ٹکڑے لگ جاؤں مگر میں نے کچھ نہیں کیا۔ بس ٹانف تیار ہو کر نکل گئی۔ واپسی میں میں یہ ضرور سوچ رہی تھی کہ مٹی سے اب کھل کر بات کر دوں گی مگر تھوڑی سی قریب حیرت زدہ رہ گئی۔ ٹیکر دوڑوں ہاتھوں سے سر تھامے کر سی پر بیٹھا تھا۔ مٹی اس کی پیٹھ اور سر سے ہاتھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نہایت ہمدردانہ لہجے میں بولیں۔ ”دیکھو اس پاگل کو، چار دن سے صاحب کالج نہیں گئے ہیں نہ ہی کچھ کھایا پیلا ہے۔ تم اپنے ساتھ اس کا کھانا بھی لگو لو۔“

مٹی نے خود بیٹھ کر بڑی محنت سے ٹیکر کو کھانا کھلایا کھانے کے بعد بہت کہنے پر بھی وہ ٹیکر انہیں اور مٹی کے احسان کے بوجھ تلے دبا ہوا پس چلا گیا۔

کچھ وقت تو رگیا لیکن بہر حال حالات معمول پر آگئے۔ ٹیکر بھی اب دو ایک روز بیچ کر کے آنے لگا۔ وہ جب بھی آتا، ہم زیادہ تر پٹھنے لکھنے ہی کی باتیں کرتے جس دن وہ نہ آتا، اس دن اس سے میں کئی بار برآمدے ہی سے بات کر لیتی۔ ویسے ایک بات میں نے ضرور محسوس کی۔ جب بھی ٹیکر شام کے وقت دیر تک بیٹھ جاتا، یا دوپہر تک آ جاتا، مٹی کے اندر ناگہانے لگتے۔ مٹی ناگہانے کو کچھ بولنے تو نہیں دیتی تھیں۔ لیکن انہیں بالکل الگ کر دینا بھی شاید ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ کبھی کبھی مٹی مذاق میں کہتیں۔ ”تو زایہ جو تیرا ٹیکر ہے نا، بڑا ہی الجھاسا لڑکا ہے۔ اسے اس عمر میں لڑکوں کو چاہیے، گھوڑیں پھرنی۔ تو تیری صورت بنانے مجھوں کی طرح چھت پر ٹنگا ہر وقت ادا دھڑی کھتا رہتا ہے۔“ میں صرف مسکرا دیتی۔ وہ اکثر جذباتی ہو کر کہتیں۔ ”تو کیوں نہیں سمجھاتی بیٹی؟ تیرے مستقبل کے بارے میں میں نے کتنے خواب سجا رکھے ہیں، کتنے ارمان پل بے ہیں میرے سینے میں تیرے لیے۔“

میں ہنس کر کہتی۔ ”مٹی! تم بھی کمال کرتی ہو۔ اپنی زندگی کے خواب بھی تمہی دیکھو اور میری زندگی کے خواب بھی تمہی دیکھو ڈالو۔ کچھ خواب میرے لیے بھی تو چھوڑ دو۔“

مٹی کبھی سمجھانے کے لیے میں کہتیں۔ ”دیکھو تو! ابھی تم بہت چھوٹی ہو۔ اپنا سارا دھیان پڑھنے لکھنے میں لگاؤ اور دماغ سے یہ اٹلے سیدھے

فروز نکال دو۔ بڑی ہو کر محنت بھی کر لینا اور شادی بھی نہیں تو ویسے بھی تمہارے لیے لگاؤ حوصلہ دینے والی نہیں ہوں، خود ہی ڈھونڈنا گزرتی مٹل تو ہو جائے کہ قاعدے کا انتخاب کر سکو۔“

اپنا انتخاب اس طرح زد ہوتے دیکھ کر میں پوچھتی۔ ”انتھاتی! یہ بتاؤ۔ جب تم نے پاپا کا انتخاب کیا تھا تو کیا مانا کہ یہ انتخاب پسند تھا؟“ ”میرا انتخاب؟ اپنی ساری پڑھائی کھائی ختم کر کے چھپ سال کی عمر میں انتخاب کیا میں نے۔ خوب سوچ سمجھ کر اور عقل مندی سے۔“

بھیس! مٹی اپنی بوکھلاہٹ غصے میں چھپا کر کہتیں۔

عمر اور پڑھائی ہی دو پہلے ہیں جن کے سامنے مٹی مجھے زیر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پڑھنے لکھنے میں میں اچھی تھی۔ دماغ کا سوال تو اس سلسلے میں جی چاہتا کہ مٹی سے کہوں، مٹی بتا دی کہ نل ہو کام چھپس سال کی عمر میں کرتی تھی، ہماری نسل اسے پندرہ سال کی عمر میں کرے گی۔ یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتیں؟ مگر میں چپ چاپ رہ جاتی ناگہانے کو چل ہی پڑا ہے۔ کیوں وہ جاگ اٹھے تو.....

ششما ہی امتحانات قریب آگئے تھے اور میں نے اپنی ساری توجہ پڑھنے کی طرف مبذول کر دی تھی۔ سب کا آنا جانا بند ہو گیا تھا۔ پڑھائی کا کام میں نے اس قدر محنت سے کیا کہ مٹی خوش ہو گئیں۔ آخری پرچے کا امتحان دینے کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بوجھ سر سے ہٹ گیا ہے۔ طبیعت تفریح کرنے کو چاہ رہی تھی۔ میں نے مٹی سے پوچھا۔ ”مٹی! کل ٹیکر اور ایک بچہ چاہے ہیں۔ میں بھی چل جاؤں؟ اب تک میں ہی لوگوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کبھی نہیں گئی تھی لیکن اس قدر پڑھائی کرنے کے بعد اتنی آزادی تو مٹی ہی چاہیے تھی۔“

مٹی میرا چہرہ دیکھنے لگیں پھر بولیں۔ ”ادھر آ، یہاں بیٹھ۔ تجھ سے بات کرنی ہے۔“ میں یہ سوچ کر ان کے پاس جا بیٹھی کہ مٹی کو تو بات کرنے کا مرض ہے۔ وہ کہنے لگیں۔ ”میں تو خود کچھ کام کر رہی تھی۔ بول، کون سی بچہ دیکھنا چاہتی ہے؟“

”کیوں؟ ان لوگوں کے ساتھ جانے میں کیا ہرج ہے؟“

”تو جی بی! میں نے تجھے پوری آزادی دے رکھی ہے مگر اتنی ہی تیز چل کر میں بھی تیرا ساتھ دے سکوں۔“

”سات سات بتاؤ نا مجھے جانے دوں گی یا نہیں؟ بیکار کی بات میں بھی تیرا ساتھ دے سکوں۔ تمہارے ساتھ چلنے کی بات کہاں سے آئی؟“

مٹی نے میری پیٹھ سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ ”ساتھ تو چلنا ہی پڑے گا۔ تو کبھی اندھے منہ گر جانے کو کوئی اٹھانے والا بھی تو چاہیے نا۔“

میں سمجھ گئی کہ مٹی مجھے نہیں جانے دیں گی مگر مشکل یہ تھی کہ ان سے مجھ کو بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بحث کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کو



پھوٹی سی بات کو ناحق اتنا طویل دے رہی ہو۔ مگر مٹی کا تختہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس بار انھوں نے شاید پایا کو بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔ پایا نے کہا تو کچھ نہیں، کیونکہ وہ شروع ہی سے اس ملے سے ملے سے ٹوٹ رہی تھی لیکن اب اُن کے چہرے پر بھی کشیدگی سی نظر آرہی تھی۔

کوئی دو بیٹے پہلے جب یہ واقعہ ہوا تھا تو میں اند تک سم گئی تھی مگر اس بار میں نے ملے کر دیا تھا کہ اگر مٹی کو نابینا کر دیں تو کڑا کڑا بے تو مجھے بھی مٹی بن کر اُن سے ٹکر لینی ہوگی۔ میں اُن کو دکھا دوں گی کہ میں اُن کی بیٹی ہوں۔ خود تو عام روش سے ہٹ کر عیس میں اندیشہ نہیں اس کا تذکرہ بھی کرتی رہیں لیکن میں نے جیسے ہی سہا قدم اٹھایا، کچھ گھسیٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے جیت کر دیا کہ ایک دن جی سے بات اورو بحث کر دوں گی۔ صاف صاف کہوں گی کہ اتنی بندشوں میں رکھنا تھا تو پھر شروع سے اسی طرح رکھتیں۔ خواہ مخواہ آزادی کی باتیں کیوں کرتی رہیں؟

میں دن بھر گرم سم اپنے کمرے میں پڑی رہی جی بھرا تاؤ اور دنے نکلتی اور ایک ہی جملہ بار بار دہراتی۔ "مٹی! تم انہی طرح سم لو کہ میں اپنی ہی مٹی مانی کر دوں گی۔ حالانکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں صبح صبح مٹی چاہتی کیا ہوں؟ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کی مجھے کوئی خبر نہ تھی میں تو اپنے کمرے میں بند ہو کر صرف مٹی سے متعلقہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ آج دوپہر مجھے اپنے کافول پر بالکل حین نہیں آیا۔ میں نے مٹی کو برقعے ہی سے بلند کوا میں کتے سنا۔ "دشیکھر! کل تو تم لوگ جیل میں اپنے اپنے گھر ملے جاؤ گے اس لیے آج رات اپنے دوستوں کے ساتھ کھانا نہیں کھانا۔"

رات کے وقت شیکھر دیکھ اور رومی کے ساتھ کھانے کی میز پر ڈٹا ہوا تھا۔ مٹی نہایت محبت اور خلوص سے اُنہیں کھانا کھا رہی تھیں۔ پایا اپنے مخصوص انداز میں مٹی مذاق کر رہے تھے۔ یہاں معلوم ہو رہا تھا کہ دریا میں کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ آس پاس کی کھر کھیل سے کئی چہرے چمکے ہوئے تھے۔ سب کچھ پہلے کی طرح بہت خوش گولہ اور فطری معلوم ہو رہا تھا۔ صرف میں یہ سوچ رہی تھی کہ مانا صدفی صدفی تھا اسی لیے مٹی کے لیے اُن سے ٹرنا آسان ثابت ہوا جو گاگر میرے لیے مٹی سے لڑنا مشکل ہے کیوں کہ وہ ایک پل نابینا کر جیتی ہیں تو دوسرے پل مٹی بن کر۔



سنو۔ پورے سپاس منٹ کی ایک کلاس۔ مگر میں یہ بات قطعی نہیں سمجھ پائی کہ میرے کچھ جانے میں آخر ہر کچھ کیا ہے؟ میں وہاں سے اٹھی اور سیدھی اپنے کمرے میں اٹھی۔ ہاں آتے ہوئے ایک جملہ مٹی کی طرف منسوب اُچھال آئی۔ "مٹی! جو ملے گا، دو گرے گا بھی اور جو گرے گا وہ اُٹھے گا بھی۔ گرنے والے کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

معلوم نہیں میری بات کا اثر برپا مٹی کے اپنے دل میں کوئی بات پیدا ہو گئی۔ شام کو انھوں نے شیکھر اور اُس کے کئی دوستوں کو بلو کر سیر کمرے میں مغل جہان اور خوب گرم گرم کھانا کھلایا۔ مٹی کی خاطر تو اس نے میرا سارا تختہ کا فور کر دیا۔

ایک دن میں اپنی سیل کے گھر سے ٹوٹی۔ مٹی کی سخت اور زبانی دی۔ "تو اب جلد آتو۔ یہ خطرے کا گھنٹل تھا میں ایک لمحے کے لیے شانے میں رہ گئی۔ مٹی کے پاس پہنچی تو انھوں نے کہا۔ "تم شیکھر کے کمرے میں جاتی ہو؟ مٹی نے جیسے بند وق دلخ دی یہ کب سے جاتی ہو؟"

جی میں آیا، کہوں کہ جس نے جانے کی خبر دی ہوگی، اُس نے باقی باتیں بھی بتا ہی دی ہوں گی مگر مٹی کا موڈ دیکھ کر چپ رہنا پڑا۔ دیکھ مجھے مٹی کے غصے کا کوئی سبب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر میں دو مین بار تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے شیکھر کے کمرے میں چلی گئی تو ایسا کیا گناہ ہو گیا؟ مٹی بولیں۔ "یاد نہیں ہے؟ میں نے شروع ہی میں تمہیں منع کر دیا تھا کہ تم اُس کے کمرے میں کبھی نہیں جاؤ گی۔ تم تن گھٹنے وہ میاں دھونی راکر بیٹھا ہے پھر بھی تمہارا ہی نہیں بھرتا، وہ تو بجائے سامنے والے نے مجھے بلایا کہ آگاہ کر دیا ہے۔ جانتی ہو؟ سراج کب کسی کے سامنے نہیں جھکا مگر اُن لوگوں کے سامنے میں نظروں بھی نہیں اٹھا سکی۔ ساری مٹی میں ٹھوٹو ہو رہی ہے۔ تاک کٹوا دی ہماری۔"

مجھے مٹی پر سخت حیرت ہو رہی تھی کیونکہ وہ اپنے آس پاس سے بالکل کٹی ہوئی تھیں۔ لوگوں کا مذاق اڑاتی تھیں مگر آج وہ اُنہی لوگوں کی آواز میں آواز لگا کر بات کر رہی تھیں۔ مٹی کا کچھ بہت سوجھ باری تھا مگر میں نے اپنے کافول کے سوچے اُفت کر لیے تھے۔ سوجھا، جب ان کا تختہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور مٹی اپنے آپ میں آجائیں گی تو بھادوں کی کہ مٹی! تمہیں

Zegham imran



سینک